فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۳۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

(سوال): کتنی چاندی ہو، تو زکوۃ فرض ہے؟

(جواب): کم سے کم ساڑھے باون تولہ چاندی پر زکوۃ واجب ہے۔

(سوال): زکوۃ نہ دینے والوں کا کیا انجام ہے؟

(جواب): زکوۃ ارکان اسلام میں سے تیسرا رکن ہے، زکوۃ صاحب نصاب پر فرض ہے، جو اس کی ادائیگی نہیں کرتا، وہ خود پر بڑا ظلم کرتا ہے اور روز قیامت اس کا وہ مال، جس کی وہ زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا، اس کے لیے وبال جان بن جائے گا اور مختلف روپ دھار کر اس کی عاقبت تباہ کرے گا۔

❀ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ بھلائی کرنے کی بیعت (عہد) کی۔''

(صحيح البخاري: 1401، صحيح مسلم: 56)

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''اونٹوں کا جو مالک ان کا حق (زکوٰۃ) ادانہیں کرتا، قیامت کے روز وہ اونٹ زیادہ سے زیادہ تعداد میں آئیں گے اور اس شخص کو ان کے سامنے ایک چٹیل میدان میں بٹھا دیا جائے گا، وہ اپنے کھروں اور پاؤں سمیت اس کو روندیں گے، گائیوں کا جو مالک ان کا حق (زکوٰۃ) ادانہیں کرتا، قیامت کے روز وہ گائیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آئیں گی اور اس شخص کو ان کے سامنے ایک چٹیل میدان میں بٹھا دیا جائے گا، وہ اپنے سینگوں سے اسے ماریں گی اور اپنے پاؤں سے اس کو روندیں گی، بکریوں کا جو مالک ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتا، قیامت کے روز وہ بکریاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آئیں گی، اس شخص کو ان کے سامنے ایک چٹیل میدان میں بٹھا دیا جائے گا، وہ اپنے سینگوں سے اسے ماریں گی اور کھروں سے اس کو روندیں گی، ان میں ایک بکری بھی بغیر سینگوں کے یا ٹوٹے ہوئے سینگوں والی نہ ہوگی، جو مال دار آدمی مال کا حق ادانہیں کرتا، قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا اور منہ کھول کر اس کا پیچھا کرے گا، جب وہ (سانپ) اس کے پاس آئے گا، تو وہ آدمی اس سے بھاگ جائے گا۔ سانپ اسے آواز دے گا کہ اپنا مال لے جا، جسے تو چھپا چھپا کر رکھتا تھا، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، جب وہ کوئی چارہ نہیں پائے گا، تو اپنا ہاتھ اس کے منہ میں داخل کر دے گا، وہ اسے اونٹ کی طرح چبا دے گا۔

ابوزبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ الفاظ میں نے عبید بن عمیر سے سنے ہیں، پھر میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے بھی عبید بن عمیر کی طرح ہی

بیان کیا۔ نیز عبید بن عمیر کہتے ہیں: ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ !اونٹوں کا حق کیا ہے؟ فرمایا: گھاٹ پر اس کا دودھ دوہ کر دینا، پانی پلانا، جفتی کے لیے مستعار دینا، تحفے میں دینا اور اللہ کے راستے میں اس پر سوار کرنا۔''

(صحیح مسلم: 27/988، المنتقی لابن الجارود: 335)

سوال: اہل بیت کے ناموں کے ساتھ ''علیہ السلام'' یا ''علیہ الصلاۃ والسلام'' وغیرہ استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: مسلک محدثین معتدل مسلک ہے، ہر ایک کے حقوق کی رعایت رکھتا ہے۔ جو جس کا مقام ہے، اسے دیتا ہے۔ افراط وتفریط اور غلو وتقصیر سے اجتناب کرتا ہے۔ صحابہ کرام کے حوالے سے مذہب اہل سنت والجماعت کی پیروی ضروری ہے، حزم واحتیاط بھی اسی میں ہے۔ اہل حق جس کے متعلق جو بات کرتے ہیں، وہ علم وعدل پر مبنی ہوتی ہے، جبکہ اہل بدعت وضلال جہالت اور ظلم کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

اہل بیت سے عقیدت ومحبت اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا ایمان ہے، ساتھ ساتھ غلو وتقصیر سے بچنا بھی ضروری ہے۔ بعض لوگ اہل بیت کی شان میں غلو کرتے ہوئے درست الفاظ کا استعمال نہیں کرتے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام''، ''علیہ الصلاۃ والسلام'' لکھنا یا ''مولی علی'' کہنا یا ''کرم اللہ وجہہ'' لکھنا یا پڑھنا، اسی طرح حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور مہدی رحمہ اللہ کے ساتھ ''امام'' اور ''علیہ السلام'' کا لفظ لکھنے یا پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ یہ روافض کی ایجاد ہے اور ان کا شعار ہے۔ بعض کتب احادیث میں ناسخین نے یہ الفاظ ذکر کر دیئے ہیں، اصل میں نہیں ہیں۔ ائمہ اہل سنت تمام صحابہ کے لئے ایک جیسے الفاظ کا استعمال کرتے

تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' بخاری کے ایک نسخہ میں ۲ بار، ابوداود میں ۲۹ بار، نسائی میں ۱ بار، السنن الکبریٰ للنسائی میں ۸ بار، ابن ماجہ میں ۲ بار، موطا مالک میں ۱ بار، مصنف عبدالرزاق میں ۲ بار اور مسند اسحاق میں ۱ بار لکھا گیا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے ''کرم اللہ وجہہ'' کے الفاظ نسائی میں ۵ بار اور ابن ماجہ میں بھی ۵ بار ذکر ہوئے ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کے ساتھ ''علیہا السلام'' صحیح بخاری کے ایک نسخہ میں ۳۷ بار، ابوداود میں ۲ بار، ابن ماجہ میں ۳ بار ذکر ہوا ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ بخاری کے ایک نسخہ میں ۳ بار، ابوداود اور نسائی میں ۱، ۱ بار ''علیہ السلام'' ذکر ہوا ہے، جبکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بخاری میں ۳ بار، سنن نسائی اور ابن ماجہ میں ۱، ۱ بار ذکر ہوا ہے۔

اسی طرح عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لیے بخاری کے ایک نسخہ میں ۱ بار اور ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کے لیے ایک بار ''علیہا السلام'' ذکر ہوا ہے۔

یہ الفاظ محدثین نے نہیں لکھے، بلکہ ناسخین نے اپنی طرف سے لکھ دیے ہیں، علما نے ان پر نکیر کی ہے۔ بطور شعار ان کا استعمال درست نہیں۔

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (774ھ) لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں، بہت ساری کتابوں میں کاتبین کی جانب سے یہ طریقہ غالب آ گیا ہے کہ وہ صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''علیہ السلام'' لگاتے ہیں، باقی صحابہ کے ساتھ نہیں لگاتے، اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''کرم اللہ وجھہ'' لکھتے

ہیں۔تو ان کا معنی اگرچہ صحیح ہے، لیکن مناسب ہے کہ اس معاملے میں تمام صحابہ کو برابر رکھا جائے، کیونکہ یہ تعظیم اور تکریم کے باب سے ہے اور شیخین اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس تعظیم کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔''

(تفسير ابن كثير : 478/6، المَوَاهب اللَّدنية للقَسطلاني : 277/2)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَا تُصَلُّوا صَلَاةً عَلٰى أَحَدٍ إِلَّا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلٰكِنْ يُدْعٰى لِلْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ بِالْاِسْتِغْفَارِ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی پر درود کے الفاظ استعمال مت کریں، بلکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کے الفاظ استعمال کریں۔''

(فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم للقاضي إسماعيل : 75، وسنده صحيحٌ)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلصَّلَاةِ عَلٰى غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ يَعْنِي اسْتِقْلَالًا لَمْ تَكُنْ مِنَ الْأَمْرِ الْمَعْرُوفِ وَإِنَّمَا أُحْدِثَتْ فِي دَوْلَةِ بَنِي هَاشِمٍ .

''غیر نبی کے لیے مستقل طور پر ''الصلاۃ'' کا لفظ استعمال کرنا (خیر القرون میں) معروف نہیں تھا، یہ بنو ہاشم (عباسیہ) کے دور خلافت میں رائج ہوا۔''

(الشِّفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ : 68/2، فتح الباري لابن حجر : 170/11)

❁ علامہ غزالی رحمہ اللہ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کے لیے ''الصلاۃ'' کا لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں روافض کی موافقت ہے، نیز صدرِ اول میں ''علیہ الصلاۃ والسلام'' نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھا، جیسا کہ ''عزوجل'' کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ جیسے محمد عزوجل کہنا درست نہیں، باوجود اس کے کہ آپ ﷺ عزیز اور جلیل ہیں، اسی طرح ابوبکر صلوات اللہ علیہ کہنا بھی درست نہیں، اگرچہ صلوٰۃ دعا کے معنی میں ہے۔''

(الوَسيط في المَذهب : 446/2)

علامہ ابن العطار رحمہ اللہ (۷۲۴ھ) فرماتے ہیں:

''جو بات اکثر علما نے کی ہے، وہی صحیح ہے کہ (غیر نبی کے لیے ''الصلاۃ'' کا لفظ استعمال کرنا) مکروہ تنزیہی ہے، علما نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور ہمیں ان کے شعار کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، لیکن ممانعت کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ سلف صالحین ''صلاۃ'' مستقل طور پر انبیائے کرام کے لیے خاص سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ہم ''عزوجل'' کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص سمجھتے ہیں، اسی طرح ہم محمد عزوجل نہیں کہہ سکتے، بے شک آپ ﷺ عزیز و جلیل ہیں۔ اسی طرح ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کے ناموں کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ'' نہیں کہہ سکتے، باوجود اس کے کہ اس کا معنی درست ہے۔''

(العُدّة في شرح العُمدة : 612/2)

علامہ ابن عابدین شامی (1252ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّمَا أَحْدَثَهُ الرَّافِضَةُ فِي بَعْضِ الْأَئِمَّةِ وَالتَّشَبُّهُ بِأَهْلِ الْبِدَعِ

مَنْهِيٌّ عَنْهُ فَتَجِبُ مُخَالَفَتُهُمْ.

''یہ بدعت روافض نے اپنے بعض ائمہ کے لئے ایجاد کر لی ہے اور اہل بدعت سے مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے، سوان کی مخالفت واجب ہے۔''

(فتاویٰ شامی : 753/6)

(سوال): اگر مسلم علاقے میں غیر مسلموں کو معاہدے کے تحت رہنے کی اجازت دی جائے، تو کیا ان کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا جا سکتا ہے؟

(جواب): اگر غیر مسلم معاہدین سے معاہدہ طے پا جائے کہ ان کی عبادت گاہوں کو باقی رکھا جائے گا، تو اس معاہدے کی پاسداری کرنی چاہیے، البتہ نئے معبد خانے بنانے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے اور سر عام شراب، خنزیر وغیرہ کی خرید وفروخت کی اجازت نہ دی جائے، البتہ جب معاہدہ ختم ہو جائے، تو مسلم حکمران غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو منہدم کرنے کا مجاز ہوگا۔

❀ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْكَنَائِسِ تُهْدَمُ؟ قَالَ : لَا إِلَّا مَا كَانَ مِنْهَا فِي الْحَرَّةِ.

''آپ سے کنیسوں سے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا ان کو گرا دیا جائے گا؟ فرمایا: نہیں، البتہ مدینہ کے گرد حرہ میں اگر کوئی ہو، تو اس کو گرا دیا جائے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 32984، وسندهٗ حسنٌ)

❀ علامہ سبکی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

هٰذَا مِنْ عَطَاءٍ مَحْمُولٌ عَلٰى مَا إِذَا حَصَلَ صُلْحٌ عَلَيْهَا أَوْ احْتَمَلَ ذٰلِكَ.

''عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا قول اس بات پر محمول ہے کہ جب ان گرجوں کے متعلق صلح ہو جائے یا صلح کا امکان ہو۔''

(فتاوی السّبكي : 394/2)

❁ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ صُولِحُوا عَلٰى أَنْ يُخْلٰى بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النِّيرَانِ وَالْأَوْثَانِ فِي غَيْرِ الْأَمْصَارِ .

''ان سے صلح کی گئی کہ ان کے آتش کدوں اور بتوں کو شہروں کے علاوہ غیر آباد علاقوں میں باقی رکھا جائے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 32986، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ عوف بن ابی جمیلہ اعرابی رحمہ اللہ (۱۴۷ھ) بیان کرتے ہیں:

شَهِدْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُبَيْدِ بْنِ مَعْمَرٍ أُتِيَ بِمَجُوسِيٍّ بَنٰى بَيْتَ نَارٍ بِالْبَصْرَةِ فَضَرَبَ عُنُقَهٗ .

''میں عبداللہ بن عبید بن معمر کے پاس حاضر ہوا، ان کے پاس ایک مجوسی کو لایا گیا، جس نے بصرہ میں آتش کدہ بنایا تھا، تو انہوں نے مجوسی کی گردن قلم کر دی۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 32989، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ علامہ سبکی رحمہ اللہ اس کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ بصرہ ایک بنجر زمین تھی، اسے مسلمانوں نے آباد کیا، تعمیر کیا اور اس میں سکونت پذیر ہوئے، لہٰذا اس میں کنیسا بنانا جائز نہیں تھا، نہ آتش کدہ بنانا جائز تھا۔ اس مجوسی نے آتش کدہ بنایا، تو یہ نقض عہد تھا، اسی لئے

اس کی گردن قلم کردی گئی۔''

(فتاوى السّبكي : 397/2)

✿ علامہ ابن ماجشون رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بلاد اسلام میں کنیسا نہیں بنایا جائے گا، ہاں اگر وہ ذمی ہوں، اسلامی شہر سے الگ رہتے ہوں، ان کے درمیان مسلمان نہ ہوں، تو اس میں ان کی مرضی ہے، وہ شراب لائیں یا خنزیر خریدیں۔ البتہ جب مسلمانوں کے درمیان رہیں تو ضروری ہے کہ پرانے کنیسے اگر ٹوٹ گئے ہوں، تو ان کی مرمت نہیں کی جائیگی، الا یہ کہ وہ معاہدے کی شرط ہو، تو پھر اس کو پورا کیا جائے گا، ان کو اس سے زائد بنانے سے منع کیا جائے گا، چاہے وہ زیادت ظاہری ہو یا باطنی۔''

(النّوادر والزّيادات على ما في المدوّنة للقيرواني المالكي : 376/3، الجامع لمسائل المدوّنة للصقلي : 441/15)

علامہ ماوردی رحمہ اللہ (۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

''اہل شرک کے جو علاقے مسلمانوں نے دشواری کے ساتھ فتح کیے، ایسے بلاد میں نئے کلیسے اور گرجے بنانے پر صلح کرنا جائز نہیں۔ لیکن جو کنیسے پہلے سے موجود ہوں، وہ اگر پرانے ہو گئے ہوں، تو ان کی مرمت نہیں کی جائے گی۔ یہ ویران علاقے کے حکم میں ہوں گے۔ البتہ فتح کے وقت جو پرانے کنیسے یا گرجے موجود ہوں، تو اگر ان سے صلح ہو جائے، تو ان کو باقی رکھنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں؛ ا۔ یہ معبد خانے باقی رکھے جائیں گے، کیونکہ یہ مسلمانوں کے مال غنیمت سے خارج ہیں۔ یہی صورت درست ہے۔ اسی لیے جن علاقوں کو دشواری کے ساتھ فتح کیا گیا ہے، ان میں بھی کلیسے اور کنیسے باقی

رکھے گئے ہیں۔۲۔ان کی ملکیت مسلمانوں کو حاصل ہوگی،ان سے گرجوں اور کنیسوں کا حکم ختم ہوجائے گا۔ یہ مسلمانوں کے مال غنیمت میں شامل ہوں گے۔ ذمیوں کا ان پر کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اہل ذمہ کی تعمیر شدہ عمارتوں کی کوئی حرمت نہیں،لہٰذا یہ مال غنیمت میں ہی شامل ہوں گی۔''

(الحاوي الكبير : 14/321-322)

نیز فرماتے ہیں:

''اگر کہا جائے کہ ہم ان شہروں میں کئی کلیسے اور کنیسے دیکھتے ہیں، جیسا کہ بصرہ کوفہ اور بغداد وغیرہ میں ہیں اور یہ اسلامی شہر ہیں، جن کو بادشاہ منصور نے بنایا ہے۔ہم کہیں گے: اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ ان کو بعد میں بنایا گیا ہے، تو ان کو گرانا واجب ہوگا اور اگر یہ شہر بسانے سے پہلے موجود تھے، کیونکہ نصرانی پادری اپنے صوامع، گرجے وغیرہ صحراؤں میں بناتے تھے اور دنیا سے کٹ کر ان میں بیٹھتے تھے۔تو انہیں قائم رکھا جائے گا،منہدم نہیں کیا جائے گا۔اگر ان کی تعمیر کا صحیح وقت معلوم نہ ہو سکے، تو ان کو ظاہری حالت پر قائم رکھا جائے گا، استصحاب کے طور پر۔''

(الحاوي الكبير : 14/321)

سوال: کافر ذمی مسلمان کو قتل کر دے، تو کیا اسے قصاصاً قتل کیا جائے گا؟

جواب: اگر کوئی کافر ذمی مسلمان کو قتل کر دے، تو اسے قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

سوال: اہل کتاب کو سلام کہنا کیسا ہے؟

جواب: اہل کتاب پر سلام میں پہل نہیں کرنی چاہیے، جیسا کہ صحیح احادیث سے

ثابت ہے، ہاں اگر وہ سلام کہیں، تو جواب میں ''وعلیکم'' کہہ دیں گے۔

(صحيح البخاري : 6256، صحيح مسلم : 2165)

لیکن جواب میں کہا گیا سلام، سلام تحیہ نہیں، بلکہ امان ہے، جو کافر کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔

❁ سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ مَرَّ بِرَجُلٍ هَيْئَتُهٗ هَيْئَةُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ، فَسَلَّمَ فَرَدَّ عَلَيْهِ عُقْبَةُ وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ : أَتَدْرِي عَلٰى مَنْ رَدَدْتَ؟ فَقَالَ : أَلَيْسَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ؟ فَقَالُوا : لَا، وَلٰكِنَّهٗ نَصْرَانِيٌّ، فَقَامَ عُقْبَةُ فَتَبِعَهٗ حَتّٰى أَدْرَكَهٗ فَقَالَ : إِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَبَرَكَاتِهٖ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، لٰكِنْ أَطَالَ اللّٰهُ حَيَاتَكَ وَأَكْثَرَ مَالَكَ .

''آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کا گزر ہوا، جس کی ظاہری ہیئت مسلمانوں والی تھی، اس شخص نے آپ کو سلام کہا، تو آپ نے اس کا جواب دیا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تو آپ سے غلام نے کہا: جانتے ہیں کہ آپ نے کسے سلام کہا ہے؟ تو عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا یہ مسلمان نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا: جی نہیں، یہ عیسائی ہے۔ تو سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ اس عیسائی کے پیچھے گئے اور اس کے پاس پہنچ کر فرمایا: بلاشبہ اللہ کی رحمت اور برکات صرف مومنین کے لیے ہیں، لیکن اللہ تیری عمر دراز کرے اور تجھے مال کی کثرت عطا کرے۔''

(السنن الكبرى للبيهقي : 203/9، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

''آپ رضی اللہ عنہ ہر ایک کو سلام کہا کرتے تھے، (راوی کہتے ہیں کہ) مجھے نہیں معلوم

کہ کسی نے سلام کہنے میں سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے پہل کی ہو، ہاں ایک دفعہ ایک یہودی جو ستون کے پیچھے چھپا تھا، سامنے آیا اور اس نے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو سلام کہا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: تمہاری بربادی ہو، یہودی! ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا: میں نے دیکھا کہ آپ کثرت سے سلام کہتے ہیں، تو میں نے جان لیا کہ یہ کوئی فضیلت والا عمل ہے، تو میں نے چاہا کہ یہ عمل میں بھی اختیار کروں، سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہاری بربادی ہو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سلام کو ہماری امت کے لیے تحفہ اور اہل ذمہ کے لیے امان بنایا ہے۔''

(المعجم الکبیر للطبراني : 109/8، ح : 7518، وسندہٗ حسنٌ)

تنبیہ:

① سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں (شعب الایمان للبیہقی : ۸۳۷۸، وسندہ حسن) ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر مسلم وغیر مسلم کو سلام کہا کرتے تھے۔ جبکہ مندرجہ بالا اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم کو سلام کہنے سے رجوع کر لیا تھا، یہی حدیث کے موافق ہے۔

② سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر (شعب الایمان للبیہقی : ۸۵۱۸) ابراہیم نخعی کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَعَلَّهٗ لَمْ يَبْلُغْهُ مَا بَلَغَ غَيْرَهٗ مِنَ السُّنَّةِ، وَمُتَابَعَةُ السُّنَّةِ أَوْلٰى.

''ممکن ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو غیر مسلم کو سلام کہنے کی ممانعت کا علم نہ ہو سکا ہو۔ لہٰذا حدیث کا اتباع ہی اولیٰ ہے۔''

③ محمد بن کعب کے قول (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۵۷۵۰) کی سند ضعیف ہے، مسعودی مختلط ہے، یزید بن ہارون بعد از اختلاط روایت لی ہے۔

④ سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا ابو درداء اور سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم اہل شرک کو سلام کہا کرتے تھے۔

(مصنف ابن أبي شيبة: 25752)

سند ضعیف ہے؛

۱۔ اسماعیل بن عیاش کی اہل حجاز سے روایت ضعیف ہوتی ہے، محمد بن عجلان مدنی ہیں، نیز اسماعیل بن عیاش مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

۲۔ محمد بن عجلان مدلس ہیں، ان کا ابو درداء وغیرہ سے سماع کا مسئلہ ہے۔

⑤ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اہل کتاب کو خط میں ''سلام علیک'' لکھتے تھے۔

(مصنف ابن أبي شيبة: 25748)

سند ضعیف ہے۔ اس میں ''رجل'' مبہم ہے، نیز سفیان ثوری کی تدلیس ہے۔

⑥ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا قصہ (مستدرک حاکم: ۴۹۴۶) مجہول رواۃ پر مشتمل ہے۔

⑦ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے قول کی سند پر آگاہی نہیں ہو سکی۔

فائدہ:

مشرکین، کفار اور مومنین ایک ساتھ بیٹھے ہوں، تو سلام کہہ سکتے ہیں۔

(صحيح البخاري: 6254، صحيح مسلم: 1798)

لیکن نیت مسلمانوں کو سلام کرنے کی ہو گی، کیونکہ کفار کو سلام کہنا جائز نہیں۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے مسلمانوں کی جماعت کو

سلام کہا، جس میں عیسائی بھی موجود تھا، تو اس پر اعتراض ہوا، اس نے کہا: میں نے نیت میں صرف مسلمانوں کو مراد لیا ہے، نیز اسے کہا گیا کہ تجھے یہ الفاظ کہنے چاہیے تھے کہ السلام علی من اتبع الہدیٰ۔ آیا اسے پہلے الفاظ (یعنی السلام علیکم) کہنا چاہیے تھا یا دوسرے الفاظ (یعنی السلام علی من اتبع الہدیٰ)؟ تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے جواب دیا:

''سلام کہنے میں صرف پہلے الفاظ ہی جائز ہیں، اسی طرح سلام کا جواب بھی انہی الفاظ میں دیا جائے گا، مسلمانوں کی جماعت میں عیسائی موجود ہو، تو مسلمانوں کی نیت کر کے سلام کہا جا سکتا ہے۔ اب رہے السلام علی من اتبع الہدیٰ کے الفاظ، تو یہ صرف ان خطوط کے آغاز میں مشروع ہے، جو کفار کو لکھے جائیں، جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے۔''

(الحاوي للفتاوي :297/1)

اگر کوئی کہے کہ کافر کو سلام میں پہل کیونکر درست ہے؟ تو اس کے جواب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمُفَسِّرِينَ قَالُوا : لَيْسَ الْمُرَادُ مِنْ هٰذَا التَّحِيَّةَ إِنَّمَا مَعْنَاهُ : سَلِمَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مَنْ أَسْلَمَ وَلِهٰذَا جَاءَ بَعْدَهُ أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى .

''مفسرین کرام نے کہا ہے کہ یہاں سلام سے مراد تحیۃ الاسلام نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی ہے کہ اسلام قبول کرنے والا عذاب الٰہی سے سلامت رہے، اسی لیے تو اس (آیت) کے بعد (والی آیت میں) ہے کہ تکذیب اور روگردانی کرنے والے کے لیے عذاب ہے۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري :38/1)

بعض سلف کا کہنا ہے کہ کافر کو ''سلام علیک'' بھی کہہ سکتے ہیں، تو اس سلام سے مراد تحیۃ الاسلام نہیں ہے، بلکہ یہ کفار کے لیے (قبول اسلام کے ذریعہ) عذاب الٰہی سے حفاظت کی دعا ہے۔

فائدہ: اگر مسلمان کو خط لکھا جائے تو اس میں السلام علیکم ہی کہا جائے گا۔

❀ کاتب مغیرہ، وراد ثقفی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَتَبَ الْمُغِيرَةُ إِلٰى مُعَاوِيَةَ : سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ !

''سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا: سلام علیک، اما بعد!''

(صحيح مسلم : 593)

الحاصل:

غیر مسلم کو تحیۃ الاسلام یعنی السلام علیکم نہیں کہہ سکتے، نہ پہل کرتے ہوئے اور نہ ہی اس کے سلام کے جواب میں۔ اگر وہ سلام کہے، تو جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہا جا سکتا ہے، کیونکہ کفار السام علیکم کہتے ہیں یا اسلو با السلام علیکم کہہ کر نیت میں ہلاکت کی دعا کرتے ہیں، لہٰذا ''وعلیکم'' کہہ کر ان پر وہی لوٹا دی جائے۔

سوال: کیا قادیانیوں کو سلام کہنا جائز ہے؟

جواب: قادیانی مرتد کافر ہیں، ان سے مکمل سوشل بائیکاٹ ہے، ان کو سلام کہنے میں پہل کرنی چاہیے، نہ ان کے سلام کا جواب دینا چاہیے، کیونکہ یہ مرتد ہیں اور مرتد واجب القتل ہوتا ہے، جس کا نفاذ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

سوال: کیا قادیانیوں کو اہل کتاب کہہ سکتے ہیں؟

(جواب): اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں، قادیانیوں کو اہل کتاب یا اہل قبلہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ وہ مرتد ہیں۔

(سوال): کیا عقیدۂ ختم نبوت کا منکر زندیق ہے؟

(جواب): بلاشبہ عقیدۂ ختم نبوت کا منکر زندیق ومرتد ہے، اس کی سزا قتل ہے۔

(سوال): اہل ہویٰ سے کون لوگ مراد ہیں؟

(جواب): اہل ہویٰ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں، ان کے نزدیک کتاب وسنت معیار نہیں، بلکہ اپنی خواہش معیار ہے۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں رسوا اور بے فیض ہیں، تمام رحمتیں ان کے لیے ہیں، جو اپنی خواہشات کو وحی الٰہی پر قربان کر دیتے ہیں اور حتی الوسع وحی کا اتباع کرتے ہیں۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ طَغٰى، وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا، فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوٰى وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى﴾(النّازعات: ٣٧-٤١)

''جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دی، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اپنے رب کے روبرو کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا، تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

(سوال): عشرہ ذوالحجہ کی کیا فضیلت ہے؟

(جواب): ذوالحجہ کے پہلے دس دن انتہائی بابرکت اور حرمت والے ہیں، ان ایام کے نیک اعمال دوسرے دنوں کے اعمالِ صالحہ پر ایک گوناں فضیلت رکھتے ہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان ایام کے اعمال صالحہ دوسرے دنوں کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں، عرض کیا، دوسرے دنوں میں کیا جانے والا جہاد بھی ان سے افضل نہیں؟ فرمایا نہیں، ہاں! اگر کوئی آدمی اپنے جان و مال کے ساتھ اللہ کے راستے میں نکلے اور کچھ واپس نہ آئے۔''

(صحيح البخاري : ٩٦٩، سنن أبي داؤد : ٢٤٣٨، سنن التّرمذي : ٧٥٧، سنن ابن ماجه : ١٧٢٧)

ان مبارک دنوں میں نفلی نماز، نفلی روزوں، صدقہ وخیرات، ذکر واذکار، تکبیر وتہلیل اور دیگر نیک اعمال کا اہتمام مولائے رحمٰن ورحیم کی بے پایاں رحمت اور لا متناہی مغفرت کا باعث ہے۔ ان دنوں میں کیے جانے والے مبارک اعمال میں سے ایک عالی مرتبت وذی شان عمل ''قربانی'' بھی ہے، جو اسلام کا باکمال اور ممتاز شعار ہے۔

(سوال): ایام بیض سے کیا مراد ہے؟

(جواب): ایام بیض سے مراد چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ ہے، تین راتوں میں چونکہ چاند زیادہ روشن ہوتا ہے، اس لیے انہیں بیض یعنی روشن کہا جاتا ہے۔

(سوال): ایام بیض کے روزوں کی کیا فضیلت ہے؟

(جواب): ایام بیض کے تین روزے پورا مہینہ روزے رکھنے کے برابر ہے۔ ہر روزہ دس روزوں کے برابر اجر رکھتا ہے۔

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ، وَأَرْبَعَ

عَشْرَةَ، وَخَمْسَ عَشْرَةَ .

''جب آپ ہر ماہ تین روزے رکھیں، تو (قمری مہینہ کی) تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ (ایام بیض) کے روزے رکھا کریں۔''

(سنن النّسائي : 2424، سنن التّرمذي :761، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن'' اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۱۲۸) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳٦٥٦) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ **نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا:**

إِنَّ بِحَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ لَكَ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، فَإِنَّ ذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ .

''آپ کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیں، تو آپ کو ہر نیکی کے بدلے دس گناہ اجر ملے گا اور اس طرح پورا سال روزے رکھنے کے برابر اجر ملے گا۔''

(صحيح البخاري : 1975، صحيح مسلم : 1159)

❁ **یزید بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:**

صَوْمُ شَهْرِ الصَّبْرِ، وَصَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ يُذْهِبْنَ وَحَرَ الصَّدْرِ .

''ماہ رمضان اور ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے سے دل کا کینہ ختم ہوتا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 263/5، سنن أبي داوٗد : 2999، سنن النّسائي : 4151،

وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (٦٥٥٧) اور امام ابن الجارود رحمہ اللہ (١٠٩٩) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

سوال: ایام تشریق سے کیا مراد ہے؟

جواب: ذوالحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ کو ایام تشریق کہتے ہیں۔

سوال: ذوالحجہ کی تکبیرات کب تک کہی جائیں گی؟

جواب: ❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ﴾ (الحجّ : ٣٧)

''تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو، کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔''

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ﴾ (البقرة : ٢٠٣)

''ایامِ معدودات میں اللہ کا ذکر کرو۔''

❁ اس آیت کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

هِيَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ. ''یہاں ایام تشریق مراد ہیں۔''

(معرفة السنن والآثار للبيهقي : 255/4، وسندہٗ صحيحٌ)

اس کی سند کو حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (البدر المنیر : ٤٣٠/٦) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التلخیص الحبیر : ٦٠٨/٢) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

تکبیرات کا آغاز یومِ عرفہ (نو ذوالحجہ) کی نمازِ فجر سے ہوتا ہے اور اختتام تیرہ ذوالحجہ کی عصر کے بعد ہوتا ہے۔ اس پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے۔

(العُدّة في أصول الفقه لابن الفرّاء : 1061/4)

یکم ذوالحجہ سے ان تکبیرات کا آغاز کرنے پر کوئی دلیل نہیں۔

❁ ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نو ذوالحجہ کو نمازِ فجر سے لے کر آخری یومِ تشریق (تیرہ ذوالحجہ) کو نمازِ عصر کے بعد تک تکبیرات پڑھتے تھے۔

(مصنّف ابن أبي شيبة : 165/2، وسندهٗ صحيحٌ)

یہ تکبیرات بآواز بلند فرض نمازوں کے بعد بھی کہنی چاہئیں اور عام اوقات میں بھی۔

❁ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

''اہل علم اتنی بات پر متفق ہیں کہ ان دنوں (نو ذوالحجہ سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی عصر تک) میں فرض نمازوں کے بعد تکبیرات کہنا مشروع ہے۔ اس باب میں کوئی مرفوع صحیح حدیث نہیں، البتہ آثار صحابہ و تابعین اور مسلمانوں کا عمل منقول ہے۔''

(فتح الباري لابن رجب : 22/9)

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

''آپ رضی اللہ عنہ منیٰ میں اپنے خیمہ میں (بآواز بلند) تکبیرات کہتے تھے کہ حاضرین مسجد آپ کی تکبیر کو سن لیتے، وہ بھی تکبیرات کہنے لگتے، تو بازار والے سن لیتے، وہ بھی تکبیرات کہنے لگتے، یوں منیٰ ایک ساتھ تکبیر سے گونج اُٹھتا۔''

(السنن الكبرىٰ للبيهقي : 6267، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے:

''آپ رضی اللہ عنہ ان دنوں (ایام تشریق) میں منی کے اندر فرض نمازوں کے بعد، بستر پر، خیمے میں اور چلتے پھرتے تکبیرات کہتے تھے۔''

(الأوسط لابن المُنذر : 299/4، وسندهٗ حسنٌ)